اسلامی اور مغربی قدریں

علی احمد مزروعی*

مسلم دنیا کے حوالے سے مغرب کی سوچ بالعموم یہ رہی ہے کہ مسلم معاشرے پس ماندہ' مذہب زدہ اور غیر انسانی طرز حکمرانی کا شکار ہیں جبکہ وہ خود روشن خیال لادین جمہوری نظام کے تحت ایک بہتر زندگی بسر کررہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ثقافتی جہت سے مغرب اور اسلام کا یہ فاصلہ اس سے کہیں کم ہے جتنا کہ مغرب نے تصور کر لیا ہے۔ اسلام صرف ایک مذہب ہے اور نہ ہی وہ محض ایک بنیاد پرستانہ سیاسی تحریک - اسلام ایک تہذیب اور طریقہ حیات کا نام ہے جو ایک مسلم ملک سے دوسرے مسلم ملک تک بہت کچھ مختلف ہونے کے باوصف باہمی روحانی ربط سے اپنی توانائی حاصل کرتا ہے' جس کا ادراک مغرب کو نہیں۔ مغربی دنیا کو تو اس کا بھی ادراک نہیں کہ ان کا اپنا معاشرہ ان کے آزاد خیال دیو مالائی نظام کی توقعات پر پورا اترنے میں ناکام ہو چکا ہے۔ انہیں اس بات کا بھی احساس نہیں کہ اسلامی ثقافت کے وہ پہلو جنہیں مغربی دنیا "قرون وسطی" کی باقیات خیال کرتے ہیں وہ خود ان کی اپنی ثقافت میں ماضی قریب تک جاری وساری رہے ہیں۔ عہد حاضر کے مسلم معاشرے ترقی یافتہ مغرب سے معاشرتی اور سائنسی پہلو سے چند عشرے ہی پیچھے ہوں گے۔ مگر جو سوال سب سے اہم ہے وہ یہ کہ کسی معاشرے کے ایک عام فرد کے لیے وہ کون سا راستہ ہے جو حقیقی معنوں میں بہتر معیار زندگی عطا کرتا ہے اور بدترین عواقب سے بچاسکتا ہے۔ اس پہلو سے مغرب کا اختیار کردہ راستہ ہمیں شافی جواب دینے سے قاصر نظر آتا ہے۔ اس پس منظر میں اسلامی اقدار ہم سے زیادہ سنجیدہ غور و فکر کا مطالبہ کرتی ہیں۔ سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں انقلابی پیش رفت نے مغربی معاشرے کو گذشتہ چند دہائیوں میں عظیم معاشرتی تبدیلیوں سے دو چار کیا ہے۔

وہ قدریں جو جنگ عظیم دوم کے بعد تک مغرب معاشرے میں عام تھیں برق رفتاری سے روبہ زوال ہوتی گئیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ازدواجی زندگی سے باہر جنسی تعلقات جو کچھ پہلے تک عام

*Ali A. Mazrui, "Islamic and Western Values", Foreign Affairs, 76:5 (September / October 1997) PP. 118 _ 132

تلخیص : شفق ہاشمی

مغربی معاشروں میں قابل نفرین تھے اور کہیں کہیں آج بھی کتابی حد تک مذموم ہیں آج ان کا چلن عام ہے۔ ۱۹۶۰ کی دہائی تک ہم جنس پرستی جو برطانیہ میں قابل مواخذہ جرم تھی آج بیشتر مغربی ممالک ایسے کسی قانون کو ہم جنس پرستوں کے "انسانی حقوق" کی خلاف ورزی تصور کرتے ہیں۔

معاشرتی افراط و تفریط کے مظاہر بھی مغرب میں عام ہیں۔ مثال کے طور پر پھانسی کی سزا ایک طرف تقریباً" عام مغربی دنیا میں ختم کی جاچکی ہے مگر دوسری جانب ریاستہائے متحدہ امریکہ میں حالیہ برسوں میں ان سزاؤں کے تحت ہونے والی اموات میں اضافہ کا رجحان غالب ہے۔

مغرب نے مسلم معاشروں کو خواتین کے حقوق کے ذیل میں بالخصوص ہمیشہ پسماندگی اور دقیانوسیت کا شکار تصور کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مسلم ممالک میں صنفی زیادتیوں کا معاملہ یقیناً" تکلیف دہ ہے، مگر جب ہم ترقی یافتہ مغربی معاشروں میں خواتین کی معاشرتی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو تصویر کا ایک یکسر دوسرا رخ ہمارے سامنے آتا ہے۔ ۱۸۷۰ء سے پہلے تک برطانیہ میں خواتین کو شوہروں سے الگ اپنی جائیداد کی ملکیت کا حق حاصل نہیں تھا۔ مغرب کو شاید اس کا علم نہ ہو کہ مسلم خواتین کو آزادی ملکیت کا حق ہمیشہ سے حاصل رہا ہے اور پیغمبرؐ اسلام نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بحیثیت تاجر کیا تھا جس میں وہ اپنی شریک حیات کے ساتھ شراکت دار بھی تھے۔

اکثر مغربی معاشروں میں آج بھی نرینہ اولاد ہونے کی صورت میں بیٹیاں حق وراثت سے محروم رہتی ہیں۔ اسلام نے چودہ صدیوں سے خواتین کو یہ حق دے رکھا ہے۔ "جمہوریت" کی علمبردار مغربی دنیا نے اپنی خواتین کو ووٹ کا حق بھی کہیں اب جاکر دیا ہے۔ برطانیہ نے یہ حق دو مرحلوں میں ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۸ء میں عطا کیا۔ امریکہ نے ایک دستوری ترمیم کے ذریعے یہ حق ۱۹۲۰ء میں دیا، جبکہ فرانس نے ۱۹۴۴ اور سوئٹزرلینڈ نے ۱۹۷۱ء میں اپنی خواتین کو اس کا مستحق سمجھا۔ اس کے برعکس افغانستان، عراق، پاکستان اور ایران جیسے ملکوں میں خواتین اپنا یہ حق کہیں پہلے سے استعمال کررہی ہیں۔ یہ امر بھی باعث حیرت و استعجاب ہے کہ حقوق نسواں کے حوالے سے مسلم دنیا کو مطعون کرنے والے مغرب کا سرخیل امریکہ اپنے وجود سے لے کر اب تک اپنی کسی خاتون رہنما کو کرسی صدارت تفویض نہیں کرسکا۔ اس کے برعکس عالم اسلام کے دو بڑے ممالک پاکستان اور بنگلہ دیش نے زمام حکومت اپنی خواتین رہنماؤں کو سونپی۔ ایک اور مسلم ملک ترکی میں بھی وزیراعظم کے منصب پر ایک خاتون فائز رہ چکی ہیں۔